RIGHTS OF CHILDREN IN THE LIGHT OF SEERAT E TAYYEBAH

URDU – حقوقِ اولاد-سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

Bashir Ahmed Rind
University of Sindh,Jamshoro

Mukhtiar Ahmed Kandhro
University of Sindh,Jamshoro

ABSTRACT

Family is a basic unit of of all societies and the families that civilized and a cultured play a pivotal role in the societal development. Children being part of the family also play an important role in this process, as they are the ones who become the parents and elders of tomorrow. They are not only a source of family's development but they are also a reflection of society and its values. What they learn from the society becomes an integral part of them. Therefore, for a developed and civilized society, it is necessary to concentrate on the upbringing of children and give them their due rights. Their education should be handled with care and they should be given a humble and friendly environment, so that they could have a positive physical and mental upbringing for a brighter future. Islam, being a balanced religion, caters for this in the best possible manner, even to an extrent that children have certain rights on parents even before they come in this physical world. Islam stipulates these rights from the perspectives of religious, social, economic, moral, ethical, developmental, educational and maritorial needs. The system that our beloved Prophet Muhammad ﷺ has brought is a complete and perfect way of life and provides us the best means to raise righteous and God-conscious people who prefer societal good before their own self-interests. This study focuses on the balanced family system in the light of Quran and Sunnah and the way it caters for the rights of children in the best possible manner. It contains a useful advise for the parents which is aimed to make them understand the greater wisdom of Islamic rulings with regards to their responsibilities in right upbringing of their off-springs.

Key words اولاد، حقوق، حیات، پرورش، تربیت، میراث، نکاح۔

اولاد کی حیثیت

اولاد چونکہ فطری طور پر والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کے نقص و کمی کو پورا کرنے والی، ان کی ہمدرد و معاون، ان کی نسل و حسب و نسب کی محافظ اور ان کے نصب العین کو لے کر اگلوں تک پہنچانے والی ہوتی ہے، اس لیے آپ ﷺ کا لایا ہوا نظام اسے خدائی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیتا ہے،

چنانچہ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وامددنكم باموال و بنين وجعلنكم اكثر نفيرا(1)

"اور ہم نے مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تم کو بہت بڑی جماعت بنا دیا۔"

ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس دلاتے ہوئے اولاد کا ذکر کیا:

واتقوا الذى امدكم بما تعلمون، امدكم بانعام وبنين (2)

"اور اس سے ڈرو جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو۔ اس نے تمہیں چوپایوں اور بیٹوں سے مدد دی ۔"

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہوئے اس کے انعامات کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں مال و اولاد کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں:

ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنٰت ویجعل لکم انھٰرا (3)

"اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لیے نہریں بہادے گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچوں کی خوشخبری دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فبشر نٰھا باسحٰق ومن ورآء اسحٰق یعقوب(4)

"تو ہم نے اس کو اسحٰق علیہ السلام کی اور اسحٰق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی"

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے رویہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے نعمتِ اولاد کے عطا ہونے پر اختیار کیا:

الحمدللہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء(5)

"اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے، بیشک میرا پروردگار دعاء سننے والا ہے۔"

ایک اور آیہ میں اس نعمتِ عظمیٰ کی طرف مندرجہ ذیل طریقہ پر اشارہ فرمایا گیا:

وَاللہ جَعَلَ لَکم من انفسکم ازواجًا و جعل لکم من ازواجکم بنین وحفدةً ورزقکم من الطیبٰتِ (6)

"اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور پھر ان عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے۔ اور تم کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔"

اسی طرح قرآن مجید نے مؤمنین کی صفات کو بیان کرتے ہوئے اس اظہارِ تشکر کو بیان کیا ہے جو وہ اولاد کی نعمت پر کرتے ہیں:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما(7)

"وہ جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔"

اسی لیے انبیاء علیھم السلام نے صالح اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے: ھنالک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاء(8)

"اس وقت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما، بیشک تو دعا سننے والا ہے۔

ابراھیم علیہ السلام نے اس طرح دعا مانگی:

رب ھب لی من الصالحین، فبشرناہ بغلام حلیم (9)

"اے میرے پروردگار! مجھے صالح اولاد عطا فرما، تو ہم نے انھیں ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری سنادی"

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین "اسلام" نے اولاد کو بہت زیادہ اہمیت اور حیثیت دی ہے۔ اور ان کے نعمت ہونے پر زور اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے رویوں کی اصلاح ہو گی۔

حقوقِ اولاد

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے حقوق بنیادی طور پر تین قسم کے ہیں:

1۔ قبل از حمل حقوق۔

2۔ دورانِ حمل حقوق۔

3۔ بعد از ولادت حقوق۔

1۔ قبل از حمل حقوق

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اولاد کے حقوق تب سے شروع ہوتے ہیں جب وہ ماں کے حمل میں آجائے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں، اقوامِ متحدہ کے اصول یہی بتاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے تو اس سے بھی پہلے اولاد کے حقوق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ آپ ﷺ سب سے پہلے بچے کے لیے اچھی ماں کے انتخاب کا درس دیتے ہیں، تاکہ بچے کی اچھی پرورش اور بہتر تعلیم و تربیت ہو سکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تنکح المراۃ لاربع : لمالها ولحسبها ولجمالها ولدینها، فاظفر بذات الدین تربت یداک (10) "چار باتوں کو سامنے رکھ کر کسی عورت سے نکاح کیا جاتا ہے : مال و دولت کی وجہ سے، حسب و نسب کی وجہ سے، حسن و جمال کی وجہ سے، دینداری اور اخلاق و سیرت کی وجہ سے۔ تمہارا بھلا ہو! تم دیندار و نیک سیرت خاتون کو ترجیح دو" ظاہر بات ہے کہ اولاد کے لیے پہلی درسگاہ والدہ ہوتی ہے، اگر وہ دیندار، نیک سیرت، سمجھدار، سنجیدہ، بااخلاق و باکردار ہوگی تو اولاد پر بھی اچھا اثر پڑے گا ورنہ جیسی درسگاہ ویسے طلبہ، جیسی زمین ویسی فصل۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ایک دیندار و نیک سیرت خاتون کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے بچوں کے لیے دیندار و نیک سیرت باپ کا انتخاب کرے، اور اس کے اولیاء اس حوالے سے اس کی مدد کریں۔

2۔ دورانِ حمل حقوق۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بچہ جب ماں کے حمل میں قرار پاتا ہے تو اسے ایک مکمل انسان والی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، اس لیے جس طرح ایک مکمل انسان کی جان اور اس کی صحت کا تحفظ لازمی ہے اسی طرح بچے کی جان اور اس کی صحت کا تحفظ بھی لازمی ہے۔ اس لیے اسقاطِ حمل (Abortion) یا کوئی بھی ایسا عمل، جس سے بچے کی جان کو خطرہ لاحق ہو درست نہیں، خواہ وہ بچہ جائز ہو یا ناجائز۔ چنانچہ احادیث میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ : "غامدیہ قبیلے کی ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اقرار کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ وہ زنا سے حاملہ ہے اور آپ ﷺ سے شرعی سزا کے نفاذ کا مطالبہ کرتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی آپ پر شرعی سزا نافذ نہیں ہو سکتی، آپ وضعِ حمل کے بعد آنا، وہ وضعِ حمل کے بعد آجاتی ہے اور بچہ ساتھ لاتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی آپ کے بچے کو رضاعت (دودھ پلانے) کی ضرورت ہے، واپس جاؤ، اس کی رضاعت کرو، جب اس کا دودھ چھڑا لینا، پھر واپس آنا، بچے کا دودھ چھڑانے کے بعد وہ عورت بچے کو ساتھ لاتی ہے اور روٹی کا ٹکڑا بھی ساتھ لاتی ہے، جو بچہ خود کھا رہا تھا، اس وقت آپ ﷺ نے بچہ کسی مسلمان کی کفالت میں دے کر اس عورت پر شرعی سزا نافذ فرمائی" (11) اس لیے فقہاء کرام نے سواء اس صورت کے کہ ماں کی جان کو یقینی خطرہ لاحق ہو اور سواء اسقاط کے اس کے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں دی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اگر کسی عبادت کی وجہ سے بھی بچے کی جان یا صحت کو خطرہ ہو تو اسے وقتی طور پر چھوڑا جائے گا۔ اس حوالے سے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں دفعِ حرج و دفعِ مضرت کا اصول دیا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: وما جعل علیکم فی الدین من حرج (12) "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: لاضرر ولا ضرار (13) "نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی اور کو نقصان پہنچاؤ" اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی ایسا عمل جس سے زچہ یا بچہ کے لیے خطرہ ہو اس سے اجتناب کیا جائے، چاہے کوئی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ "اگر اس سے ماں یا اس کے بچے کی زندگی یا صحت کو خطرہ لاحق ہو تو اسے بھی وقتی طور پر چھوڑا جائے، کیونکہ اگر اسے نہ چھوڑا گیا تو یہ تنگی اور نقصان دینے اور

اٹھانے کی بات ہو گی۔ البتہ وضعِ حمل اور صحت مند ہونے کے بعد اسے قضا کیا جائے"(14) اس حوالے سے وق2;ت اور حالات کے لحاظ سے حفظانِ صحت کے لیے جو بھی تدابیر ہو سکتی ہیں، انھیں اختیار کیا جائے تاکہ بچے کی جان اور صحت محفوظ رہے۔

ایک طرف رسول اللہ ﷺ نے دورانِ حمل بچے کو یہ حقوق دیے ہیں تو دوسری طرف آج کی مہذب دنیا کی صورتحال کچھ اس طرح ہے: عالمی ادارۂ صحت (World Health Orgnization) کے مطابق سالیانہ 40 سے 50 ملین (چار سے پانچ کروڑ) اسقاطِ حمل کے واقعات ہو رہے ہیں، اور روزانہ ایک لاکھ پچیس ہزار کے قریب قریب اسقاطِ حمل کے کیسز ہوتے ہیں۔ اور بیشتر یوروپین ممالک میں اسے عورت کی ذاتی پسند ناپسند (Choice) پر چھوڑا گیا ہے۔(15)

3۔ بعد از ولادت حقوق۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کی رو سے بچے کے پیدا ہونے کے بعد اس کی حفاظت و نگہداشت بہت ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے بچوں کے حقوق کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دی ہیں۔ ان ہدایات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقوق دو طرح کے ہیں۔

1۔ آئینی حقوق

حقوق کی ایک قسم وہ ہے جن کی ادائگی لازمی ہے اور ان میں کوتاہی کرنا موجب سزا ہے۔ انہیں ہم آئینی حقوق کہ سکتے ہیں۔

2۔ اخلاقی حقوق

دوسری قسم وہ ہے جن کا ادا کرنا پسندیدہ ہے اور ان سے کوتاہی کی صورت میں اخلاقی و معاشرتی سزا تو ملتی ہے لیکن قانونی گرفت نہیں ہوتی۔ اور انھیں ہم اخلاقی حقوق کا عنوان دے سکتے ہیں۔

آئینی حقوق

آپ ﷺ نے جو دین لایا ہے اس نے اولاد کے معاملے کو صرف والدین کی صوابدید پر نہیں چھوڑا اور نہ ہی معاشرے کے رویے پر انحصار کیا ہے بلکہ بچوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا ہے اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے غلط رویہ کو قابل سزا قرار دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں بچوں کی نگہداشت کے حوالے سے جو سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں اور اقوامِ متحدہ کے ذیلی اداروں میں اس سلسلے میں جو اقدامات کیے جا رہے ہیں وہ انسانی معاشروں کی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ردِ عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے معاشرتی تنظیم میں پہلے دن سے ہی بچوں کے حقوق کے بارے میں واضح موقف اختیار کیا تھا اور یہ اس عظیم اصلاح کا حصہ ہے جسے آپ ﷺ نے معاشروں کی تشکیل میں اختیار کیا ہے۔ آئینی حقوق میں مندرجہ ذیل حقوق کے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات پائی جاتی ہیں۔

1۔ حقِ حیات (2) حقِ پرورش (3) حقِ تربیت (4) حقِ میراث (5) حقِ نکاح۔

1۔ حقِ حیات

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بچے کا سب سے پہلا آئینی حق، حقِ زیست ہے۔ مرد اور عورت کا جائز جنسی تعلق صرف تفریح اور لذت کشی نہیں ہے بلکہ یہ تعلق انسان کے تسلسل کا ذریعہ ہے لہٰذا اس تعلق کے نتیجے میں جو بچہ جنم لیتا ہے اس کا یہ حق ہے کہ

اس کی زندگی کو محفوظ بنایا جائے۔ چونکہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس لیے والدین اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ اس کی زندگی کو یقینی بنائیں۔ بعض انسانی معاشروں میں اولاد کو قتل کیا جاتا تھا۔

عرب کے سفاکانہ مراسم میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مارڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ گاڑدینا تھا۔ یہ بے رحمی کاکام والدین اپنی خوشی اور مرضی سے انجام دیتے تھے، اس رسم کے جاری ہونے کے بنیادی طور پر تین اسباب تھے

1۔ مذہبی

قتلِ اولاد کاایک سبب تومذہبی تھا، یعنی والدین اپنے بچوں کو اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے خود ذبح کر کے ان پر چڑھادیتے تھے، منت مانتے تھے کہ فلاں کام ہوگا تو اپنے بچے کی قربانی کریں گے جیسے کہ: "آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اسے 10 بیٹے پیدا ہوئے اور جوان ہوئے توان میں سے ایک خدا کے لیے بیت اللہ میں ذبح کریں گے، اتفاق سے جس بیٹے کے ذبح کے لیے قرعہ نکلا تھا وہ حضورِ اکرم ﷺ کے والد خواجہ عبداللہ تھے جس کے بدلے میں عبدالمطلب کو 100 اونٹ قربان کرنے پڑے تھے"(16)، یہ قابلِ نفرت رسم نہ صرف عربوں میں بلکہ بہت سی بت پرست قوموں میں جاری تھی، رومۃ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں اولاد کو مارڈالنے کا باپ کو بالکل اختیار تھا، اس قتل کی کوئی بازپرس نہ تھی، اور اولاد کشیِ کا اعلانیہ کثرت سے رواج تھا، اور ھندوستان میں بتوں، دیوتاؤں کی خوشی اور نذرانے کے لیے ان معصوموں کی جانیں بہت آسانی سے لی جاتی تھیں"(17) آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب "قرآن مجید" نے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کی قوموں کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا اور اس قبیح رسم سے روکا:

وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم۔ ولو شاء اللہ مافعلوہ فذرھم وما یفترون(18)

"اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کردیں۔ اور اگرخدا چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔"

2۔ عام فقروفاقہ۔

قتلِ اولاد کی دوسری وجہ عربوں کاعام فقروفاقہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہوگی تو اس کے کھانے پینے کا سامان کرناہوگا، اس لیے وہ اس کے خون سے اپنا ہاتھ رنگ کر اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے۔ یہ رسمِ بدنہ صرف 14 سوسال پہلے تھی بلکہ آج کی جدیداور وسائل سے مالامال دنیا میں بھی

اسقاطِ حمل کے واقعات کے پیچھے اکثریہی سوچ کارفرماہے، خاص طورپر ہندوستان میں لڑکیوں کے اسقاطِ حمل کے پیچھے یہی سوچ کام کررہی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق: "بھارت میں شادی شدہ خواتین پر اکثرلڑکا پیدا کرنے کے لیے دباؤڈالا جاتاہے، وہاں لڑکوں کو کمائی کاذریعہ جبکہ لڑکیوں کو بوجھ تصور کیا جاتاہے، کئی والدین اسکریننگ ٹیسٹ کے ذریعے یہ پتہ چلنے کے بعد کہ ان کے ہاں لڑکی آنے والی ہے اسقاطِ حمل کرادیتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے اعداد وشمار کے مطابق دنیابھر میں ایک ہزار لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد 984 ہے، جبکہ بھارت میں یہ تناسب ایک ہزار لڑکوں کے مقابل لڑکیوں کی تعداد 914 ہے۔ لڑکیوں کے قتل کوروکنے کے لیے بھارت نے اسکریننگ ٹیسٹ کے ذریعے جنس بتانے پر قانونی پابندی عائد کردی ہے"(19)

نبوتِ محمدی نے یہ بتایا کہ ہر بچہ اپنا رزق اور اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے، ایک انسان دوسرے انسان کو نہیں کھلاتا بلکہ وہ خداہی ہے جو سب کو کھلاتا ہے اور وہی ہر جاندار کی روزی کا سامان مہیا کرتا ہے: وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (20) "زمین پر کوئی جاندار

نہیں لیکن یہ کہ اس کی روزی کا فرض خدا ہی پر ہے" یعنی اللہ تعالی نے سب کی کفالت کے لیے رزق کے وسائل پیدا کر دیے ہیں، اگر انھیں جدوجہد کر کے حاصل کیا جائے اور ان کی صحیح تقسیم کی جائے تو کسی کے بھوکا رہنے کا کوئی امکان نہیں۔

اس لیے بے علم معاشرے کو یہ تعلیم دی گئی: ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطا کبیرا(21)

"اور اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا مار ڈالنا سخت گناہ ہے"

قتلِ اولاد کے جرم کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اس کی ممانعت کو شرک کی ممانعت کے پہلو بہ پہلو جگہ دی گئی، آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ ان عربوں کو جنھوں نے اپنی طرف سے بہت سی چیزیں حرام بنا لی ہیں، بتاؤ کہ اصلی چیزیں انسان پر کیا حرام ہیں:

قل تعالوا اتل ماحرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم (22)

"آپ ان لوگوں سے کہیں کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناتا ہوں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں: کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا، ماں باپ سے حسنِ سلوک کرنا، مفلسی کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں"

"ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک۔ پوچھا، اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کی نافرمانی۔ پھر عرض کی، اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔"(23) یہ جواب در حقیقت آیتِ بالا کی تفسیر ہے۔ انہی تعلیمات اور نبوت کے پرتوِ فیض نے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ رزاق خدا ہے، اسی کے ہاتھ میں رزق کی کنجی ہے، ہر بچہ اپنے رزق کا سامان لے کر آتا ہے، اس ایمان اور یقین نے اس جرم کا عرب سرزمین سے خاتمہ کر دیا۔

3۔ شرم وعار

اولادکشی کی تیسری صورت، جو سب سے زیادہ قابلِ افسوس تھی وہ یہ کہ لڑکیوں کو شرم وعار کا باعث سمجھا جاتا تھا، خاص طور پر ہندوستان کے راجپوت لڑکیوں کو بیاہ دینے کی شرم وعار سے بچنے کے لیے انھیں قتل کر دیتے تھے، بیواؤں کو ستی کی صورت میں زندہ جلا دیتے تھے، اور لڑائیوں میں اس ڈر سے کہ کہیں دشمن کا ہماری عورتوں اور بیٹیوں پر قبضہ نہ ہو جائے، خود انھیں تہِ تیغ کر کے اس عمل کو "جوہر" کا نام دیتے تھے۔(24) عرب کے سماج میں جب گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت رنج ہوتا اور وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا، حالانکہ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اور وہ خدا کے ہاں مقرب ہیں، وہ جس کی سفارش کریں گے اللہ تعالی ان کی سفارش قبول فرمائیں گے۔ قرآن نے ان کے اس رویے پر تنقید کی کہ لڑکی کا ہونا تمہارے لیے تو شرم وعار کا باعث ہے اور خدا کو لڑکیوں کا باپ کہو تو تمھیں شرم نہیں آتی:

واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلًا ظل وجھہ مسودًا وھو کظیم(25) "اور جب ان میں کسی کو اس (بیٹی) کے ہونے کی خوشخبری دی جائے جس کی وہ رحمت والے خدا پر تہمت باندھتے ہیں تو اندر ہی اندر غصے کے مارے اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے"

رفتہ رفتہ یہ حالت پہنچی کہ اس شرم و عار کے مجسمے کو پردۂ خاک میں چھپا کر باپ اس مصیبت سے نجات پانے کی فکریں کرتے، قرآن مجید نے نہ صرف بچی کے قتل پر پابندی عائد کی بلکہ اس طرزِ عمل کی بھی سخت مذمت کی کہ بچے کی پیدائش پر خوشی منائی جائے اور بچی کی پیدائش کی خبر سن کر افسوس کیا جائے:

واذا بشر احدهم بالانثیٰ ظل وجهہ مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشربہ ایمسکہ علی هون ام يدسہ فی التراب الا ساء ما يحكمون(26)

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا چہرہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور اس کے دل کو دیکھو تو وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبرِ بد کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری بات ہے۔"

یوں تو اس رسمِ بد کا رواج تمام عرب میں تھا، خاص طور پر قبیلہ بنو تمیم میں یہ رسمِ بد زیادہ تھی ۔ اسی قبیلے کے سردار قیس بن عاصم نے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا تھا کہ اس نے دورِ جاہلیت میں اپنی 12 یا 13 لڑکیاں زندہ دفنا دی تھیں، سلمہ بن یزید جُعفی نے آپ ﷺ سے استفسار کیا تھا کہ ہماری والدہ مُلیکہ جو صلہ رحمی کرتی تھی، اور بڑی مہمان نواز بھی تھی لیکن اس نے اپنی بیٹی یعنی ہماری ایک بہن کو جاہلیت کے دور میں زندہ دفن کر دیا تھا، کیا اس کی بخشش ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا سوائے اسلام لانے کے اور کوئی بخشش کا طریقہ نہیں۔(27) اللہ تعالیٰ نے بچوں اور بچیوں کے حوالے سے اس دہرے معیار (Dual Standered) کو ہدفِ تنقید بنایا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: واذا الموؤدة سئلت بای ذنب قتلت(28) "اس منظر کو یاد کرو جب زندہ در گور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اسے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا"

ان اخلاقی نصیحتوں کے علاوہ اس رسمِ بد کے انسداد کے لئے آپ ﷺ نے اس بات پر عورتوں اور مردوں سے بیعت لی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ جو عورتیں اسلام لائیں ان سے توبہ کی جو بیعت لی جائے اس میں ایک دفعہ یہ بھی ہو کہ: ولا يقتلن اولادهن(29) "وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی" چنانچہ اس حکم کے مطابق جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آتیں آپ ﷺ ان سے یہ بیعت لیتے(30)، آپ ﷺ کے پیشِ نظر عرب کی جو ابتدائی اصلاحیں تھیں ان میں ایک یہ چیز بھی تھی، چنانچہ بیعتِ عقبہ میں سب سے پہلے انصار سے جن باتوں پر عہد لیا گیا تھا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ: وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے(31)

آپ ﷺ نے ان تینوں اقسام کے قتل کو ممنوع فرمایا اور اولاد کی نعمت کو پہچاننے کا سلیقہ سکھایا۔ اس قتل کو قانونی طور پر جرم قرار دیا اور قابلِ سزا بنایا۔

2۔ حق پرورش

بچے کا دوسرا آئینی اور قانونی حق، حقِ پرورش ہے۔ پرورش سے مراد وہ طریقہ کار ہے جو بچے کی زندگی اور اس کی نشو نما کا ضامن ہو۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں والدین کو اپنے بچوں کی بقا اور نشو و نما کا ذمہ دار ٹھرایا ہے۔ اور یہ احساس دلایا ہے کہ اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ ایک بچہ اپنی زندگی کے ابتدائی برسوں میں خطرات و عوارض سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ اپنے وجود کی حفاظت تو بعد کی بات ہے وہ تو خورد و نوش کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، باقی تمام جانداروں کے بچے اتنی کمزوری کی حالت میں اتنا عرصہ نہیں رہتے جس قدر طویل مدت تک انسان کا بچہ رہتا ہے اور انسان کے بچے کو زبان

سیکھنے، آدابِ زندگی اور مقصدِ زندگی سیکھنے میں ایک مدت صرف ہوتی ہے۔ وہ جبلت پر نہیں بلکہ شعور اور علم کی بنیاد پر زندگی میں داخل ہوتا ہے، اس لیے اسے زیادہ مدت تک پرورش، دیکھ بھال اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو اس امر کا ذمہ دار ٹھرایا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی خوراک کا انتظام کریں، انہیں بیماریوں سے بچائیں اور حادثات سے محفوظ رکھیں۔ قرآن وسنت نے والدین پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ بچے کی عمر کے مطابق خوراک اور لباس کا انتظام کریں ۔ حضور اکرم ﷺ کے ایک ارشاد سے اس ذمہ داری کا عمومی تصور ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالوالد راع فی اھلہ و مسئول عن رعیتہ والمراۃ راعیۃ فی مال زوجھا و ولدہ ومسئولۃ عن رعیتھا والخادم راع فی مال سیدہ و مسئول عن رعیتہ الاکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ(32)

"تم سب ذمہ دار ہو اور تم سے تمہاری ذمہ داریوں سے متعلق پوچھا جائے گا۔ باپ اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے اور اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے شوہر کے مال اور اولاد کی نگران ہے اور اپنے گھر والوں کی ذمہ دار ہے اور خادم اپنے مالک کے مال و اسباب کا نگران ہے۔ تم سب اپنے لواحقین کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی پرورش پر توجہ دیں اور ان کی ضروریات پوری کریں۔ ان کی غذا کا خیال رکھیں، ان کو گرمی و سردی سے محفوظ رکھیں اور بیماریوں سے بچاؤ کا اہتمام کریں، اس ضمن میں حفاظتی ٹیکے لگوانا یا حفاظتی تدابیر اختیار کرنا، یہ سب ان کے فرائض میں شامل ہے۔ والدین کی غفلت سے بچے شدید جسمانی و نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بچے اپنی ابتدائی عمر میں شدید توجہ کے محتاج ہوتے ہیں اور والدین کی لاپرواہی سے کئی نفسیاتی وروحانی عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پرورش کے ضمن میں خوراک، لباس، صاف ستھرا ماحول، اور محبت و شفقت کا رویہ سب شامل ہیں۔

بچہ اپنی ابتدائی زندگی میں جس خوراک کا محتاج ہوتا ہے مشیت ایزدی نے اس کا انتظام ماں کے دودھ پر کردیا ہے۔ اور اسے پابند کیا ہے کہ بلا کسی معقول وجہ کے اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے۔ اور باپ کو پابند کیا ہے کہ بچے کی ماں کے پورے اخراجات معروف طریقے سے ادا کرے۔ اگر کسی وجہ سے بچے کی ماں بچے کو دودھ پلانے کے قابل نہ رہے تو کوئی اور دودھ پلانے والی عورت معقول معاوضے پر رکھی جائے اور اس کے اخراجات والد کو ادا کرنا ہوں گے، اور والد کی کسی وجہ سے عدم موجودگی کی صورت میں خاندان کو ادا کرنا ہوں گے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

والوالدت یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا ولا تضار والدۃ بولدھا ولا مولودلہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذٰلک فان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذاسلمتم ما أتیتم بالمعروف واتقواللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر(33)

"جو باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے، تو مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا، مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا کہ بچے کے باپ پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی

کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو، وہ معروف طریقے سے ادا کرو۔ اللہ سے ڈرو، اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔"

اس آیت کی رو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ بچے کو اپنے دودھ سے محروم رکھے۔ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔ اس سے کم مدت میں دودھ چھڑاتے ہوئے یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ بچے کی صحت اور پرورش پر برا اثر نہ ہو۔

اس آیت نے واضح کیا کہ دودھ پلانے والی ماں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ دودھ پلانے والی ماں کے طعام و لباس کا پورا انتظام کرے۔ باپ کی غیر موجودگی میں خاندان کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے اور اس کی ماں کی نگہداشت کا پورا انتظام کرے۔ والدین کی علیحدگی کی صورت میں بچے کی رضاعت (دودھ پلوانے) کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ ماں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بلا وجہ بچے کو دودھ کی نعمت سے محروم کردے کیونکہ یہ اس کی پرورش میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہے۔

"مسلمانوں کے ہاں دودھ پلانے کا عمل مسلسل جاری رہا۔ یہ دور حاضر کی بدعت ہے کہ ماؤں نے اپنا دودھ پلانے سے گریز کیا ہے جس کا نتیجہ ماؤں کے حق میں بھی بہتر نہیں نکلا جبکہ بچوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ دور حاضر کی طبّی تحقیقات نے ماں کے دودھ کی اہمیت و ضرورت کا ادراک کیا ہے اور ماؤں کو یہ مشورہ دینا شروع کیا ہے کہ وہ بچوں کو دودھ پلائیں۔ چونکہ ماں کا دودھ بچے کی صحت، عادات و اطوار اور مستقبل کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اس لیے ماں کی صحت، اس کی دینی اور اخلاقی حیثیت کی بڑی اہمیت ہے۔" (34)

بچہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اسے مناسب غذا اور لباس کی ضرورت ہوتی ہے۔ والد کی ذمہ داری ہے کہ وہ خوراک اور لباس کا انتظام کرے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ رزق حلال سے اس کی پرورش کریں۔ ارشاد خداوندی ہے: كلوا من طيبٰت مارزقنٰكم (35) "ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمھیں دی ہیں انہیں کھاؤ۔"

یایها الناس کلوامما فی الارض حلٰلا طیباً ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن انه لکم عدو مبین(36)

"لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

پرورش میں تمام مادی سہولتوں کی فراہمی شامل ہے۔ جب تک بچوں کو احتیاج رہتی ہے اس وقت تک والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ وسائل مہیا کریں اور ان کو تحفظ فراہم کریں۔

پرورش میں مساویانہ سلوک

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بچوں کا یہ بھی حق ہے کہ ان کے ساتھ غذا، لباس، رہن سہن، تحائف اور سہولیات میں مساوی رویہ اختیار کیا جائے۔ کسی بچے کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے۔ باہم لڑکوں میں چھوٹے اور بڑے کے حقوق کا امتیاز شریعتِ محمدی میں قائم نہیں، اسی لیے دنیا کی اکثر شریعتوں اور قانونوں کے بر خلاف اسلام میں بڑے چھوٹے اور پہلوٹے کے امتیازی حقوق نہیں، کیونکہ ہر ایک کو ان میں سے اپنے باپ کے ساتھ برابر کی نسبت ہے، یہاں تک کہ اگر لڑکوں میں سے کسی ایک کو بلاوجہ کوئی ایسا عطیہ دیا جائے جو دوسرے کو نہ دیا جائے تو آنحضرت ﷺ نے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کے باپ نے اسے ایک غلام ہدیۃً دیا اور چاہا کہ اس پر آنحضرت ﷺ کی شہادت ہو، انھوں نے آنحضرت ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش ظاہر کی ، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے ؟ عرض کی کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہیں بنوں گا، (37) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نعمان رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ ہدیہ واپس کردو (38) دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ: اپنی اولاد کے مابین انصاف کرو، اپنی اولاد کے مابین انصاف کرو (39) ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ تیرے سارے بیٹے احسان اور مہربانی میں برابر رہیں، کہا جی بلکل، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے بیٹوں کا تم پر حق ہے کہ تم ان کے ساتھ برابری کرو جس طرح تمھارا ان پر حق ہے کہ تمھارے ساتھ سارے اچھائی سے پیش آئیں۔ (40) اور روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو کوئی اور بیٹا نہیں تھا بلکہ اُبیہ نامی ایک بیٹی تھی، اس کا مطلب آپ ﷺ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ (سوائے میراث کے) ہدیہ میں بیٹے اور بیٹی کے درمیان فرق کیا جائے۔

قبائلی معاشروں میں لڑکیوں پر لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور خوراک اور لباس میں امتیازی رویہ رکھا جاتا ہے۔ آنجناب ﷺ نے اس امتیازی رویہ کو ناپسند فرمایا اور امت کو ایک طرح کی ہدایت دی کہ وہ مساوات کی روش اپنائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: من ولدت له ابنة فلم يؤذهاولم يهنها ولم يوثر ولده عليها (يعنى الذكور) ادخله الله بها الجنة(41)

"جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذاء پہنچائے اور نہ اس کی توہین کرے اور نہ محبت و برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا بیٹوں کے ساتھ کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا"

ہدیہ اور عطیہ تو دور کی بات ہے آپ ﷺ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ محبت، لطافت اور حسنِ سلوک میں بھی ان کے درمیان کوئی فرق روا رکھا جائے، چنانچہ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "ایک شخص حضور ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بیٹا آگیا تو اس شخص نے اپنے بچے کو لیا اور اسے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بٹھادیا، تھوڑی دیر بعد اس کی چھوٹی بیٹی آگئی تو اس نے اسے لیا اور اپنے پہلو میں بٹھادیا، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا "(42)

3۔ حق تربیت

پرورش میں جسمانی نشونما اور تحفظ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے جبکہ تربیت کا تعلق ذہنی اور روحانی نشو و نما سے ہے۔ والدین جس طرح بچے کے لیے جسمانی آسودگی اور مادی آسائشوں کا اہتمام کرتے ہیں اسی طرح ذہنی اور روحانی آسائش اور سکون فراہم کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہے ۔ بچے کی متوازن شخصیت کی نشو و نما کے لیے ذہنی و روحانی سہولتیں ازحد ضروری ہیں۔ تربیت میں سب سے زیادہ اہم دو چیزیں ہیں ایک تعلیم اور دوسری آدابِ زندگی۔

تعلیم

تعلیم انسانی شخصیت کا زیور ہے۔ بچے کی شخصی نشو و نما کے لیے بے حد اہم ہے۔ تعلیم خالق اور اس کی مخلوق کو سمجھنے کا اہم ذریعہ ہے، تعلیم کے ذریعے انسان میں اپنے حقوق اور فرائض کا شعور پیدا ہوتا ہے، اور اس کے ذریعے زندگی گذارنے کا ڈھنگ حاصل ہوتا ہے۔ تعلیم ہی انسان اور جانور میں امتیاز پیدا کرتی ہے، تعلیم انسان کو مہذب اور شائستہ بناتی ہے، اور دنیا کی تہذیب و تمدن کی ترقی

اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے، تعلیم ایک ایسی قوت ہے جو انسان میں ہمت، حوصلہ ، مردانگی، بہادری، قوتِ گویائی اور مزاحمتی شعور بیدار کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید کی پہلی سورہ(سورہ العلق) کی پہلی آیت کے پہلے فقرے میں اقرا(پڑھنے) کا حکم دیا گیاہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: طلب العلم فریضۃعلیٰ کل مسلم (43) "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔" بچوں کی تعلیم کا آپ ﷺ کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے: کہ بدر کے قدیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس زرِ فدیہ نہ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یوں قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے دس دس بچو ں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی ان کا فدیہ ہو گا اور وہ آزاد ہوں گے۔ (44)

علم کے حوالے سے آپ ﷺ کی پالیسی یہ تھی کہ سوفیصد لوگ لکھے پڑھے ہوں، علم کو عام کرنے کی پالیسی اور اسے بلا امتیاز سب کے لیے مہیا کرنا حضور اکرم ﷺ کا انسانیت پر احسانِ عظیم ہے۔ مختلف مذاہب نے علم کو مخصوص طبقوں تک محدود کر رکھا تھا اور عصرِ حاضر میں بھی بڑی طاقتیں عام انسان کو تھوڑی سی واقفیت پر مبنی تعلیم کی اہمیت پر شدومد کے ساتھ زور دیتی ہیں اور نادان لوگ اس کو حسنِ معاشرت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں ۔ جبکہ اسلام میں دوسرے معاملات کی طرح تعلیم کے حوالے سے بھی کوئی طبقاتی نظام نہیں۔

"تعلیم میں دینی معلومات کے ساتھ دنیوی زندگی میں کام آنے والے علوم بھی شامل ہیں، (جیسے جدید سائنس، کمپیوٹر، ریاضی، سماجیات، معاشیات، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ، کیونکہ ان علوم کے بغیر بچہ نہ تو صحیح طور پر دنیا کو سمجھ سکے گا اور نہ ہی علمی مباحثوں میں حصہ لے پائے گا) رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ وہ سب کچھ حاصل کیا جائے جسے دماغ اور حواس علم کے طور پر حاصل کر سکیں، اور جس سے انسان اپنی معلومات میں وسعت پیدا کر سکے۔ فاروقِ اعظم نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو تیراکی، شکار اور گھڑسواری سکھائیں ۔ اس عہد میں گھڑسواری اور شکار عربوں کے ہاں مقبول تھا۔ آج کے حالات میں جو علوم انسانی زندگی کے لیے مفید ہیں، ان کا حصول ضروری ہے ۔ فاروقِ اعظم آج کے دور میں ہوتے تو وہ ان علوم کے اکتساب کا حکم دیتے۔"(45)

گویا تعلیم میں دینی و دنیوی دونوں علوم ضروری ہیں اور بچوں کو قرآن و حدیث اور شریعت و عقیدہ کے ساتھ مروجہ سائنسی و عمرانی علوم کا سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔

آداب سکھانا

تعلیم کے ساتھ جو چیز بے حد ضروری ہے وہ اسلامی آداب کی آبیاری ہے۔ فاروق اعظم کا قول ہے: "جسے شریعت مؤدب نہ کر سکے اسے اللہ بھی مؤدب نہیں کرتا۔" (46) بچے کو نظم و ضبط سکھانا اس میں اچھی عادتیں اوراعلیٰ اخلاق پیدا کرنا والدین کا فرض ہے۔

آنجناب ﷺ کا فرمان ہے: لان یؤدب احدکم ولدہ خیر لہ من ان یتصدق بصاع (47)

"اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بچے کو ادب سکھاتا ہے یہ اس کے لیے اس کام سے بہتر ہے کہ وہ ہر روز ایک صاع خیرات کرے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: مانحل والد ولداً من نحل افضل من ادب حسن(48)"کسی والد نے اپنے بچے کو حسنِ ادب سے زیادہ بہتر کوئی ہدیہ نہیں دیا"

مغرب نے بچوں کی تربیت کے حوالے سے آزادی و خود مختاری کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے نتیجے میں ایک آزاد، بے ادب، غیر منظم اور بد لحاظ افراد کا گروہ وجود میں آیا ہے، جنہیں اپنی ذات کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا نظام دیا ہے جو ایک ذمہ دار، منظم اور دوسروں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھنے والے افراد کی تشکیل کرتا ہے۔ جس نے اچھی تربیت کو ثواب سے منسلک کیا ہے۔ وہ والدین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کریں ۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اکرموا اولادکم واحسنوا ادبهم(49) "اپنے بچوں کی تکریم کرو اور انہیں ادب و تمیز سکھاؤ۔"

بچے کی تعلیم و تربیت اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ معاشرے کی اساس ہے۔ فرد سے خاندان اور خاندان سے معاشرہ وجود میں آتا ہے ۔ اچھے افراد جو تربیت یافتہ اور زیورِ علم سے آراستہ ہوں گے وہ معاشرے کو جنت کا نمونہ بنائیں گے۔ وہ ایسا ماحول تشکیل دیں گے جس میں تمام افراد خوشحال زندگی بسر کر سکیں گے۔ غیر تربیت یافتہ افراد کے نتیجے میں غیر مہذب معاشرہ وجود میں آتا ہے جو مزید انتشار اور فساد کا باعث بنتا ہے ۔ اس لیے آپ ﷺ نے بچے کی تعلیم و تربیت دونوں پر زور دیا ہے اور اسے آزاد اور بے مہار چھوڑنے سے روکا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تربیت کے حوالے سے بنیادی اصول بیان فرمایا کہ بچہ فطرت اسلامی پر یعنی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اس کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں اور اسے جس رنگ میں چاہیں ڈال دیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں: کل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او يمجسانه او ينصرانه(50)

"ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، مجوسی یا نصرانی بناتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے آداب زندگی کے بارے میں مفصل ہدایات دیں ہیں۔ والدین بچوں کی عمر اور ان کے مزاج کے مطابق آہستہ آہستہ اسلامی آداب سکھاتے رہیں ۔ کھانا پینا ، گفتگو کرنا، والدین اور بڑوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا ، پاکیزگی اور نظافت کا خیال رکھنا وہ چیزیں ہیں جن کی طرف والدین توجہ دے سکتے ہیں۔

4۔ حقِ میراث

اولاد کے آئینی حقوق میں ایک اہم حق میراث کا ہے۔ آپ ﷺ نے جو تعلیمات لائی ہیں ان میں اولاد کو باپ کی جائداد میں نہ صرف شریک کیا گیا ہے بلکہ ان کے حصے بھی متعین کر دیے گئے ہیں تاکہ کوئی ظلم نہ ہو سکے۔ بعض معاشروں میں صرف بڑے بیٹے وارث ہوتے ہیں ۔ قدیم معاشروں میں بیٹیوں کو حصہ نہیں ملتا تھا ۔ قرآن نے ان کا حصہ متعین کیا اور سنت نبوی نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کردی کہ باپ کو کسی جائز وجہ کے بغیر قانونی طور پر اولاد کو جائداد سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں ۔ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے جس سے ان کی حق تلفی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

للرجال نصيب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ اور کثر نصيبًا مفروضًا(51) "مردوں کے لیے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابتدار چھوڑ جائیں، اس (متروکہ) مال میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ بہر حال ہر ایک کا حصہ قطعی ہے"

پھر دوسری آیہ میں بیٹے اور بیٹی کے حصے کی تعین بھی کردی:

يوصيكم الله فی اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين(52)

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے سلسلے میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔"

اس پر ہمارے مفسرین اور قانونی ماہرین نے مفصل بحثیں کی ہیں کہ لڑکی کا حصہ آدھا کیوں ہے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین نے لڑکی کا کچھ حصہ متعین تو کیا ہے۔ جبکہ دوسرے معاشروں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر لڑکی کئی اور طریقوں سے بھی اپنا حق وصول کرتی ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے اور بیوی کی حیثیت سے اس کے حصے متعین ہیں۔ پھر مہر و نان نفقہ کی ذمہ داری خاوند کی ہے۔ مطلب کہ اسے کئی پہلوؤں سے رعایت دی گئی ہے، جو اس کے نصف حصہ کی کمی پوری کرنے کا باعث بنتی ہے--- بیٹے کو چونکہ اپنی بیوی کا مہر بھی دینا ہے اور اس کا اور اس سے ہونے والی اولاد کا پورا خرچہ بھی اٹھانا ہے، اس لیے اس ذمہ داری کی وجہ سے اسے کچھ زیادہ حصہ دیا گیا ہے، بیٹے کو میراث میں دگنا حصہ ملنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اسلام صِنفی بنیاد پر عورت کو کم حیثیت دیتا ہے، بلکہ خالص مالی ذمہ داریوں کی بنیاد پر بیٹے کو دُگنا حصہ دیا گیا ہے-----لیکن چونکہ اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں اس لیے ان کے حقِ وراثت کو قانونی حیثیت دی گئی اور والدین کو یہ حق نہیں کہ وہ انہیں محروم کردیں۔(53)

5۔ حق نکاح

اولاد کے قانونی اور آئینی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ والدین ان کے نکاح کا انتظام کریں۔ بحیثیتِ مجموعی معاشرہ اور والدین اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اپنے جوان بچوں کی زندگی کی تنظیم کے لیے مناسب قدم اٹھائیں۔ قرآن و سنت میں نکاح کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وانكحوا الايامیٰ منكم (54) "تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہیں ان کے نکاح کراؤ" ایک روایت کے مطابق والدین کی غفلت کی وجہ سے اولاد اگر گناہ کا ارتکاب کرتی ہے تو اس میں والدین کا بھی حصہ ہے۔ یہ روایت اگرچہ فنی لحاظ سے ضعیف ہے تاہم ایک پہلو کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں :

عن ابن سعيد و ابن عباس قالا : قال رسول الله ﷺ : من ولد له مولود فليحسن ادبه واسمه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما باء باثمه(55)

"ابن سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاں اولاد پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے حسنِ ادب سے آراستہ کرے اور اس کا اچھا نام رکھے اور جب بالغ ہو تو اس کی شادی کرائے۔ اگر وہ بالغ ہوا اور (بلا کسی معقول عذر کے) اس کی شادی نہ کرائی اور اس نے گناہ کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر ہے۔"

"آزاد معاشروں اور جاہلیتِ قدیمہ و جدیدہ میں نکاح کی اہمیت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ جنسی آزادی کو انسانی حق قرار دیا گیا ہے، جس سے معاشرے کی تنظیم اور اس کی اخلاقی و روحانی حیثیت کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ساتھی کا انتخاب کرے لیکن والدین پر رہنمائی کرنے، وسائل مہیا کرنے اور انتخاب میں سہولت پیدا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اسلام آزادانہ جنسی اختلاط کو معاشرے کے اخلاقی وجود کے لیے خطرناک سمجھتا ہے۔ عفت و عصمت اور غیرت و حیا کو بنیادی اجتماعی اقدار قرار دیتا ہے، اس لیے نکاح کو آسان بنانے اور جنسی بے راہ روی کو روکنے میں والدین اور معاشرے کو مل کر کردار ادا کرنا چاہیے۔ نکاح کے سلسلے

میں والدین پر ذمہ داری عائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرے کی اخلاقی قدروں کے تحفظ کے لیے اپنا کردار ادا کریں ۔ انتظام کی سہولتیں مہیا کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ والدین جبری نکاح کرائیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں جبر کا کوئی تصور نہیں۔ خنساءبنتِ خِدام انصاریہ رضی اللہ عنھا نے اپنے والد کی طرف سے جبری نکاح کرانے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کر دیا(56)اسلام نے ولی کو صرف اس لیے ساتھ رکھا کہ وہ اولاد کے نفع و نقصان کو غیر جذباتی انداز میں دیکھ سکیں گے، لڑکی یا لڑکا جذباتی وابستگی کی بنا پر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتے ۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ نکاح کو آسان بنانے کے لیے مناسب حالات پیدا کریں اور اولاد کی مدد کریں ۔ بچوں کو آزاد چھوڑ دینے کے بھیانک نتائج سامنے آئے ہیں جنہیں مختلف معاشرے بھگت رہے ہیں اور ان کی نقالی میں اس راہ پر چلنے والے دوسرے معاشرے بھی ان ہی حالات کا سامنا کریں گے۔" (57)

اخلاقی حقوق

اخلاقی حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا ادا کیا جانا اخلاقی اعتبار سے ضروری ہو لیکن ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی قانونی گرفت نہ ہو۔ ان حقوق میں درج ذیل نمایاں ہیں:

1۔ اچھا نام رکھنا2۔ عقیقہ کرنا3۔ ختنہ کرانا4۔ روحانی تربیت کرنا5۔ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔

1۔ اچھانام رکھنا

نام بچے کی پہچان اوراس کی شخصیت کو امتیاز بخشنے والی چیز ہے۔ اچھا نام جہاں سننے والوں کے دل پر اچھا اثر چھوڑتا ہے وہاں بچہ بھی اپنے لیے عزت اور وقار محسوس کرتا ہے۔ اس لیے والدین کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کا اچھا نام رکھیں ۔ بیہقی نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ و یحسن ادبہ (58)

" باپ پربچے کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔"

عام طور پر لوگ اپنے مذہب، اپنی رویات، مشہور شخصیات اور اپنے بڑوں کے نام سے اپنی اولاد کے نام رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کالایاہوادین یہ تعلیم دیتا ہے کہ اخلاقی حقوق میں اولین بات یہ ہے کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے کا نام ایسا رکھا جائے جو مسلم عقائد اور مسلم اخلاق کا آئینہ دار ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے بچوں کے نام خوبصورت رکھو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

احب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمٰن (59) " اللہ کے نزدیک سب سے پیارے نام عبد اللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔"

شاہ ولی اللہ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"شریعت کے اہم اورعظیم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تمام ارتفاقاتِ ضرور یہ اور تدابیرِ معاشیات میں بھی ذکر الٰہی شامل کردیا جائے اور اسے دو چند کر دیا جائے تاکہ یہ امور بھی دعوتِ اسلام کی زبان بن کر حق کی دعوت دیں اور نومولود بچے کو عبداللہ اور عبد الرحمٰن سے موسوم کرنا در حقیقت توحید سے آگاہ و باخبر کرنا اور توحید آشنا بنانا ہے۔ نیز اہلِ عرب اور دیگر ممالک کے

باشندے اپنی اولاد کا نام ان لوگوں کے نام پر رکھتے تھے جن کی وہ لوگ عبادت و پرستش کیا کرتے تھے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی مراسمِ توحید قائم کرنا تھا اس لیے لازم و ضروری ہوا کہ نام رکھنے میں سنت، توحید اور طریقِ توحید ہی کا اعتبار و لحاظ رکھا جائے۔ (60)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے نام کو پسند نہ کرتے تھے جس میں بڑائی، تکبر اور غرور پایا جاتا ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اخنع اسم عنداللہ تبارک و تعالیٰ یوم القیامۃ رجل یسمی ملک ا لاملاک(61)

" قیامت کے روز اللہ کے نزدیک کم بخت نام اس شخص کا ہوگا جو شہنشاہ کہلائے گا ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جن ناموں کے اچھے معانی نہ ہوتے تو ان کو تبدیل فرما دیتے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ (نافرمانی کرنے والی) سن کر اس کا نام جمیلہ (خوبصورت) تجویز کیا (62)

۔ اچھا نام انسان کو احساسِ تشخص دیتا ہے، برا نام شرمساری کا باعث بنتا ہے ۔ انبیاء کرام ، اولیاء اللہ اور سلف صالحین کے ناموں پر نام رکھنا پسندیدہ ہے ۔ ناموں میں شرکیہ عنصر سے روکا گیا ہے۔ ابو الدرداء کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انکم تدعون یوم القیامۃ باسماء کم واسماء آباء کم فاحسنوا اسماءکم (63) "قیامت کے روز تمہیں اپنے ناموں اور والد کے ناموں سے پکارا جائے گا اس لیے بہتر نام رکھو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کتب حدیث میں منقول ہے:

تسموا با سماءالانبیاء(64) " پیغمبروں کے نام پر نام رکھو۔"

2 ۔ عقیقہ

بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن یا اس کے بعد جو جانور ان کے حوالے سے ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔

"دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعے اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ " (65)

عربوں کے ہاں قبل از اسلام یہ رسم موجود تھی اور عقیقہ بچے کی پیدائش پر خوشی کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ قربانی چونکہ سنتِ ابراہیمی ہے اس لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسم کو باقی رکھا۔ البتہ اس میں اصلاح فرمائی ۔ حضرت بریدہ بیان کرتے ہیں کہ :" زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا دستور تھا کہ جب کسی کا لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کو رنگ دیتا۔ پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہمارا طریقہ یہ ہوگیا کہ ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے اور بچے کا سر صاف کراکے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے" (66)

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک جانور ذبح کیا جائے۔ عمرو بن شعیب اپنے والد کے ذریعے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من ولد لہ ولد فاحب ان ینسک عنہ فلیفعل عن الغلام شاتان

مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ(67) "جس کا بچہ پیدا ہو ،اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے،تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اورلڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے"

لڑکے کے لیے دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکری دراصل مالی ذمہ داریوں کے اعتبار سے ہے، لڑکے پر چونکہ مالی ذمہ داریاں بنسبت لڑکی کے زیادہ ہیں اس لیے اس کے لیے دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقیقہ فرض و واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر کرلے تو اچھا ہے نہ کرے تو گناہ نہیں۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے فدیہ ادا ہوتا ہے۔

کل غلام رھینۃ بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمی (68)"ہر بچہ اپنے عقیقے کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربان کیا جائے اور اس کے سر کے بال منڈوائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے"

گویا کہ عقیقہ کا جانور بچے یا بچی کی جان کا صدقہ ہے، جس کے بدلے اللہ تعالیٰ انھیں صحت وعافیت کی نعمت سے نوازے گا۔

عقیقہ میں بنیادی حیثیت استطاعت کی ہے،اس لیے اگر کوئی دو جانور ذبح نہیں کرسکتا تو ایک بھی کیا جا سکتا ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک بکری کی بھی اجازت دی ہے،بلکہ خود حضرات حسنین کے عقیقوں میں ایک ایک مینڈھا ذبح فرمایا تھا،حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہدایت دی تھی کہ اس کے سر کے بال منڈواکر ان کے وزن کے مطابق چاندی صدقہ کردو،اور اس کے بالوں کا وزن ایک یا آدھا درھم چاندی کا بنا تھا (69)

عقیقہ کو ایک اسلامی رسم کے طور پر منانا استحباب کے درجہ میں ہے اور ملتِ ابراہیمی کی رسمِ قربانی کا تسلسل ہے۔

3۔ختنہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت نے بچوں کا ایک حق یہ بھی قرار دیتا ہے کہ ان کا ختنہ کرایا جائے،ختنہ سنت ابراہیمی ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی بھی اپنے لڑکوں کا ختنہ کرواتے ہیں ۔ ختنہ ساتویں روز کروانا چاہیے ۔ زیادہ سے زیادہ اسے سات سال تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ ختنہ پر کئی جدید طبّی تحقیقات ہوئی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ختنہ کئی قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اور خاص قسم کی(Infection) سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ (70)

4۔روحانی تربیت

اخلاقی حقوق میں اہم چیز روحانی تربیت ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی :"ظاہری اور جسمانی نشو و نما کے بعد روحانی تربیت کا درجہ ہے" (71) گو یہ ایک اخلاقی حق ہے لیکن یہ آئینی حقوق سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے وہ صحیح معنوں میں انسان بنے گا اور اسی سے وہ معاشرے کا مفید رکن سمجھا جائے گا ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یا یھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً (72) "اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

اس لیے بچوں کی دینی تربیت کرنا اور انھیں دینی احکام کا خوگر بنانا والدین کی اخلاقی ذمہ داری ہے اور یہ روحانی تربیت میں داخل ہے،اور روحانی تربیت بچے کے پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کے پیدا ہوتے ہی "اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنے کی ترغیب دی

ہے "اور بچہ جیسے ہی بولنے کے لائق ہو جائے تو اسے کلمہ طیبہ سکھانے کی تلقین کی گئی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: افتحوا علیٰ صبیانکم اول کلمۃ بلا الہ الا اللہ و لقنوھم عند الموت لا الہ الا اللہ(73) "اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لاالٰہ الااللہ کہلواؤ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ لاالٰہ الااللہ کی تلقین کرو" اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے (اور نماز کی ادائگی میں کوتاہی کرے تو) اس کی گوشمالی کرو (74) اسی طرح کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، پہننے سنورنے، بڑوں چھوٹوں سے ملنے کے آداب سکھانا اور حلال و جائز ذریعوں سے رزق حاصل کرنے کے آداب سکھانا بھی والدین کی اخلاقی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

اسی طرح بچوں کو اچھی صحبت کا عادی بنانا اور بری صحبت سے بچانا بھی والدین کا اخلاقی فرض ہے، کیونکہ صحبت اپنا اثر چھوڑتی ہے، انسان وہی عادات واطوار اپناتا ہے جو اس کے دوست کے ہوتے ہیں اور انسان اپنے ہم نشین سے پہچانا جاتا ہے، اگر ہمنشین اچھا ہے تو اسے اچھا سمجھا جاتا ہے اور اگر کسی کا ہمنشین برا ہے تو اسے برا سمجھا جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: المرا علیٰ دین خلیلہ فلینظر الیٰ من یخالل وفی روایۃ ایاک وقرین السوء فانک بہ تعرف(75) "آدمی اپنے دوست کے طریقے کی پیروی کرتا ہے، اس لیے دیکھنا چاہیے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے۔۔۔ اپنے آپ کو برے دوست سے بچاؤ کیونکہ تم دوست کے ذریعے پہچانے جاؤگے"

اصل بات یہ ہے کہ بچوں کی زندگی میں استقلال نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنے والدین کی نگرانی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں باپ کے دلوں میں بے پناہ شفقت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا تاکہ وہ تربیتِ اولاد کا کام خوشی سے انجام دیں اور ہر طرح ان کے نگرانِ حال رہیں ۔ وہ ان کی تربیت ایسے طریقے پر کریں جس سے ان کی آئندہ زندگی سنور جائے اور وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھیں، اور ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لیے جائز اور با عزت طریقے پر کمانا جان سکیں اور زیورِ علم سے بھی آراستہ رہیں۔ (76)

5۔ حسن سلوک

حسنِ سلوک ایک جامع اصطلاح ہے۔ جس میں ظاہری پرورش اور روحانی تربیت آ جاتی ہے اور یہ والدین کا ایسا رویہ ہے جس سے اولاد کی عزت وتکریم ظاہر ہو، ان کی شخصیت کی تذلیل و تحقیر نہ ہو۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ مختلف معاشروں میں بعض اوقات بچوں کی حیثیت کو نظر انداز کرکے ان سے عمدہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے تعلیم وتربیت اور پرورش و رہائش میں بچے اور بچی دونوں کو مساوی رکھا تاکہ کوئی اپنی تحقیر وتذلیل محسوس نہ کرے ۔ اسی طرح ان کے ساتھ ملنے جلنے، بولنے، آداب سکھانے میں نرمی، محبت وشفقت کا رویہ برتنے کا حکم دیا ہے، بے جا سختی یا بے جالاڈ کے بجائے اعتدال کا رویہ اپنانے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کی شخصیت پر منفی اثر نہ پڑے۔

"اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ والدین انھیں نیکی اور نیک نامی ورثہ میں دیں۔ برائی اور بدنامی نہ دیں۔ جس طرح بے راہ رو اولاد والدین کے لیے باعثِ ننگ وعار ہوتی ہے اسی طرح غلط کار والدین بھی اولاد کے لیے ساری عمر شرمندگی، عار اور اذیت کا باعث بنے رہتے ہیں" (77)

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم چونکہ یک رخی نہیں بلکہ جامع ہے، اس لیے جہاں آپ ﷺ اپنی تعلیمات میں والدین اور بڑوں کا احترام سکھاتے ہیں اسی طرح وہاں چھوٹوں کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کا بھی حکم دیتے ہیں اور اسے اسلامی معاشرے کی ایک امتیازی وصف قرار دیتے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ ایسے شخص کو اپنی جماعت کا رکن تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں جو بڑوں کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا(78) "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے" آپ ﷺ نے بچوں کے

حوالے سے جو تعلیمات دی ہیں ان پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جو دنیاوی زندگی کو پر امن اور پر سکون بنا سکتا ہے اور ایسے بچے واقعی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کی دلوں کا سکون بن سکتے ہیں۔ والدین اور سماج کا بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک بچوں کو مہذب، شائستہ اور صحیح معنی میں انسان بنا دیتا ہے۔ اور نتیجے میں بچے اپنے بڑوں کے قدر شناس، احسانمند اور ان کے پاؤں کے نیچے جنت سمجھنے والے اور معاشرے کے ہمدرد کارکن بن جاتے ہیں۔ لیکن جہاں والدین اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا نہیں کرتے وہاں وہ بھی اپنے بچوں سے اچھائی کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ کچھ عرصہ پہلے آمریکا سے ایک خبر شایع ہوئی کہ: ایک بوڑھی عورت نے ایک جج کے پاس اپنے بیٹے کے خلاف یہ شکایت کی کہ میرا بیٹا مجھ سے زیادہ اپنے کتے کا خیال رکھتا ہے، عدالت اسے ہدایت کرے کہ وہ کم سے کم میرا خیال اپنے کتے جتنا تو کرے۔ جواب میں جج صاحب نے کہا: کتا تو اس نے پال رکھا ہے لہٰذا اس کا خیال رکھنا تو اس کی ذمہ داری ہے لیکن تمھارا خیال رکھنا اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ تم چاہو تو اسی حال میں بیٹے کے پاس رہو ورنہ سرکار کی طرف بوڑھوں کے لیے بنائے ہوئے ہسپتال میں چلی جاؤ۔ (79) ایک دوسری رپورٹ کے مطابق: آمریکا میں ہر سال تین سو بچے اپنی ماں یا باپ کو قتل کر دیتے ہیں (80) مغربی ممالک میں کم سن مجرمین کے مسئلہ کا وسیع پیمانہ پر مطالعہ کیا گیا ہے اور بہت سے نتائج نکالے گئے ہیں۔ ان میں سب سے خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ کم سنی کا جرم اکثر وہ بچے کرتے ہوئے پائے گئے ہیں جو ماں باپ سے محرومی یا ان کی بے توجہی کی وجہ سے جھجھلاہٹ اور منفی ذہنیت میں مبتلا تھے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس قسم کے بچے اکثر نفسیاتی بے اعتدالی (Psychological abnormality) میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر ان سے طرح طرح کے سماجی جرائم ظہور میں آتے ہیں۔ (81) "جو شخص ذمہ داری قبول نہ کرے اسے حقوق میں بھی حصہ نہیں ملتا" یہ مقولہ اپنی بد ترین صورت میں ایسے معاشروں کے حق میں صادق آتا ہے۔

خلاصہ:

- بچے قوم کا وجود اور مستقبل کے والدین ہیں۔ معاشرہ انہی سے تشکیل پاتا ہے۔ جو معاشرہ جس طرح اپنے بچوں کی تربیت کرے گا اسی طرح کے افراد اس معاشرے کا مرتب مواد ہوں گے۔ بچے کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک اسے ذمہ دار اور باشعور بنا دیتا ہے۔ اس کی اچھی تربیت اسے معاشرے کا اچھا فرد ثابت کرتی ہے۔ کوئی قوم جس طرح کا معاشرہ پیدا کرنا چاہتی ہے اسے اس طرح کے افراد تیار کرنا ہوں گے اور افراد کی تیاری میں بچپن کی تربیت کو بڑا دخل ہے۔
- آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق، بچے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے۔ انہیں زحمت سمجھ کر ان سے نجات حاصل کرنا نہ صرف کفرانِ نعمت ہے بلکہ انسانی معاشرے کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔ ان سے بد سلوکی کرنا، ان کی پرورش میں کوتاہی کرنا اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کرنا نسلِ انسانی کی بقا اور معاشرتی استحکام کے لیے مضر ہے۔
- مغرب نے بچوں کی تربیت کے حوالے سے آزادی و خود مختاری کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے نتیجے میں ایک آزاد، بے ادب، غیر منظم اور بد لحاظ افراد کا گروہ وجود میں آیا ہے، جنہیں اپنی ذات کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا نظام دیا ہے جو ایک ذمہ دار، منظم اور دوسروں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھنے والے افراد کی تشکیل کرتا ہے۔ جس نے اچھی تربیت کو ثواب سے منسلک کیا ہے۔ وہ والدین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کریں. اگر ہم عملی نقطہ نظر سے دیکھیں تو آپ ﷺ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جو اصول دیے ہیں وہ زیادہ بہتر اور مناسب ہیں۔

تجاویز:

آخر میں ہم چند اہم امور پیش کرتے ہیں جو بچوں کی تربیت میں ملحوظ خاطر رہنے چاہئیں۔

بچوں کی نفسیات معلوم کرکے ان سے سلوک کیا جائے۔

ان کے لیے اچھے تعلیمی مراکز اور عمدہ تربیتی ماحول پیدا کیا جائے۔

عمدہ کتابیں مہیا کی جائیں۔

ان کے لیے اچھی اور صحتمند تفریح گاہیں مہیا کی جائیں۔

ان کے لیے اخلاقی اصولوں کی خوبی اور عملی مشق کا انتظام کیا جائے۔

ان کے لیے ایسا نظام ہو جس میں اعتدال ہو (اس میں بہت سختی ہو، نہ بہت نرمی) جس سے ان کی نفسیاتی الجھنوں کا سدباب ہو سکے۔

مخربِ اخلاق اشیاء اور ماحول کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ ان کے عمدہ اوصاف تشکیل پائیں اور معصوم ذہنوں پر برے اثرات مرتب نہ ہوں۔ بچوں کی اصلاح کے لیے والدین کا شخصی کردار بہت اہم ہے، اگر والدین خوش اعتقاد، بااخلاق، اور باکردار ہوں گے تو ان کی اولاد بھی ایسی ہی بنے گی، بچے کی تربیت میں والدین کے عملی رویوں کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ غالباً بچہ وہی کرتا ہے جو والدین کو کرتے دیکھتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ سورۃ الاسراء، آیت 6

2۔ سورۃ الشعراء، آیت 133 -132

3۔ سورۃ نوح، آیت 12

4۔ سورۃ ھود، آیت 71

5۔ سورۃ ابراہیم، آیت 39

6۔ سورۃ النحل، آیت 72

7۔ سورۃ الفرقان، آیت 74

8۔ سورۃ آل عمران، آیت 38

9۔ سورۃ الصافات، آیت 101-100۔

10۔ بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، ریاض، مکتبہ دار السلام، طبع دوم سن 1999ع، کتاب ا لنکاح حدیث 5090، ص 910

11۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی 'سنن ابی داؤد' ریاض دار السلام، طبع اول، سن 1999 ، حدیث 4442، کتاب الحدود۔

12۔ سورۃ الحج، آیت 87

13۔ ابن ماجہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، ریاض، طبع اول، سن 1999، حدیث 2341، ص 335

14۔ مرغینانی ابوالحسن علی بن ابی بکر، الھدایہ، مکتبۂ شرکتِ علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، ج 1 ص 222

15۔ www.worldometers.info,6/5/2015

16۔ ابن کثیر عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل 'البدایہ والنہایہ' قاھرہ، دار ابی حیان، طبع اول، سن 1996، ج 2 ص 325

17۔ ندوی سید سلیمان، سیرت النبی، کراچی، دار الاشاعت، طبع اول، سن 1985، ج 6، ص 120

18۔ سورۃ الانعام، آیت 138

19 www.dw.do جموں و کشمیر میں لڑکیوں کی کمی

20۔ سورۃ ھود، آیت 6

21۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت 31

22۔ سورۃ الانعام، آیت 152

23۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید ح 7532، ص 1300

24۔ سیرت النبی ج 6 ص 120

25۔ سورۃ زخرف، آیت 17

26۔ سورۃ النحل، آیت 58-59

27۔ ابن کثیر عمادالدین ابوالفداء اسمٰعیل 'تفسیر القرآن العظیم' بیروت، طبع دوم، سن 1991، ج 4 ص 505

28۔ سورۃ تکویر، آیت 8۔9

29۔ سورۃ الممتحنہ، آیت 12

30۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ ممتحنہ حدیث 4891، ص 867

31۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان حدیث نمبر 18، ص 6

32۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ ح 893، ص 143

33۔ سورۃ البقرہ، آیت 233

34۔ خالد علوی ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، سن 2005، ص 232

35۔ سورۃ طٰہ، آیت 81

36۔ سورۃ البقرہ، آیت 128

37۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3545، ص 510

38۔ ایضًا ح 3543 ص 510

39۔ ایضًا ح 3544 ص 510

40۔ ایضًا ح 3542 ص 510

41۔ نعمانی مولانا منظور احمد، معارف الحدیث، کراچی، دارالاشاعت، س و ط ندارد، ج 6، ص 35

42۔ البانی ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، مکتبۃ المعارف للتشریع والتوزیع بالریاض، سن 1996، طبعہ اولیٰ، ح 2994، ص 1249

43۔ ابن ماجہ، السنن، حدیث 224، ص 34

44۔ بارکپوری صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، سن 2003، ط ند، ص 314

45۔ اسلام کا معاشرتی نظام ص 235

46۔ اسلام کا معاشرتی نظام ص 236

47۔ ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ریاض، طبع اول، سن، 1999، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الولد، حدیث 1951 ص 453

48۔ ترمذی ح 1952، ص 453

49۔ نعمانی۔ معارف الحدیث، ج 6، ص 33

50۔ بخاری، کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین حدیث 1385، ص 222

51۔ سورۃ النساء، آیت 7

52۔ سورۃ النساء، آیت 11

53۔ سورۃ النور، آیت 32

54اسلام کا معاشرتی نظام ص238

55۔ البانی ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، مکتبۃ المعارف، ریاض، سن 1996ط ند، 2ج، ص 123

56۔ صحیح بخاری حدیث 5138، ص919، کتاب ا لنکاح

57۔ اسلام کا معاشرتی نظام ص239

58۔ نعمانی مولانا منظور احمد، معارف الحدیث ج6ص29

59۔ ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث 4949، ص697

60۔ شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، حجۃ البالغہ، کراچی، نور محمد کتب خانہ، ط وس ند، ج2، ص 391

61۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الادب حدیث 4961، ص699، ترمذی، ح2837، ص638

62۔ ابوداؤد، السنن، حدیث4952، ص697، جامع ترمذی ح2838، ص638

63۔ ابوداؤد، السنن، حدیث4948، ص697

64۔ ابوداؤد، السنن، حدیث4950، ص697

65۔ نعمانی، معارف الحدیث ج7ص22

66۔ ابوداؤد، السنن ح2843، ص413

67۔ نعمانی، معارف الحدیث ج6ص25

68۔ نعمانی، معارف الحدیث ج6ص26

69۔ نعمانی، معارف الحدیث ج6ص28

70۔ ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام ص244، گیری ازرو، رابرٹ بکنام "بچے کی پرورش اور نگہداشت میں والدین کا کردار" مترجم اردو محمد زاھد ملک ص212

71۔ سیرۃ النبی، ج6، ص244

72۔ سورۃ التحریم، آیت6

73۔ نعمانی، معارف الحدیث، ج 6، ص 32

74۔ نعمانی، معارف الحدیث، ج 6، ص33

75۔ علوان عبد اللہ ناصح، تربیۃ الاولاد فی الاسلام، قاھرہ، دار السلام، طبع34، سن2008، ج2ص415

76۔ اسلام کا معاشرتی نظام ص242

77۔ اِم فاروق سیدہ، اسلام اور عائلی ثقافت، لاہور، اسلامی اکادمی، طبع سوم، سن 1978 ، ص185

78۔ ترمذی، ابواب البر والصلہ حدیث1919، ص448

79۔ ماہوار شریعت سکھر، جلد 38، شمارہ نمبر 8، فروری 2011، ص 6

80 - وحید الدین خان، خاتونِ اسلام ص 58

81 ایضاً